علمائے دیوبند کا
تاریخی پس منظر
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

سبحانہ وتعالیٰ

علمائے دیوبند کا تاریخی پس منظر

مصنف

حضرت مولانا پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ناشر

کتب خانہ فخریہ دیوبند یوپی

﴿تفصیلات﴾

نام کتاب : علمائے دیوبند کا تاریخی پس منظر

مصنف : حضرت مولانا پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہٗ

تعداد : گیارہ سو

باہتمام : فرید الحسن

ناشر : کتب خانہ فخریہ، دیوبند

کمپیوٹر کتابت : آرٹ لائن (عمر الٰہی) لال مسجد، دیوبند، یوپی

﴿ملنے کا پتہ﴾

کتب خانہ فخریہ، دیوبند

K.K. FAKHRIYA DEOBAND

موبائل : 09359230484

اس عاجز کو اللہ رب العزت نے
۴۰ سے زائد ممالک میں سفر کرنے کا موقع
عطا کیا۔ مشرق بھی دیکھا، مغرب بھی دیکھا،
امریکہ بھی دیکھا، افریقہ بھی دیکھا، ایسی جگہ
پر بھی گیا جہاں حکومت وقت نے لکھا ہوا تھا
کہ یہ دنیا کا آخری کنارہ ہے۔ ایسے علاقوں
میں بھی حاضر ہوا جہاں چھ مہینے دن اور چھ
مہینے رات ہوا کرتی ہے۔ اتنا سفر کرنے کی
توفیق ملی مگر ایک بات مشاہدے میں آئی کہ
ہر جگہ جہاں پر عاجز پہنچا کوئی نہ کوئی علمائے
دیوبند کا روحانی فرزند بیٹھا کام کرتا نظر آیا۔

علمائے دیوبند کا تاریخی پس منظر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ وَ کَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَاءَ ○ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ○ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ○ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

ظاہری اور باطنی علوم کا سنگم

علمائے کرام کے اس اجتماع میں اپنے اسلاف سے متعلق باتیں کرنے کا ارادہ ہے۔ جس طرح ہمارا روحانی رشتہ سینہ بہ سینہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے اور شجرہ کہلاتا ہے اسی طرح ہمارا علمی تسلسل بھی ہے جو اکابرین علمائے دیوبند سے ہوتا ہوا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ ہمارے اکابرین علمائے دیوبند علمی اور روحانی دونوں نسبتوں کے حامل کامل تھے۔ جب درس حدیث دینے بیٹھتے تو عسقلانی اور قسطلانی نظر آرہے ہوتے تھے اور جب کبھی مسند ارشاد پر بیٹھتے تھے تو جنید اور بایزید نظر آتے تھے۔ اللہ رب

العزت نے ان کو دونوں علوم سے نوازا تھا۔ وہ حقیقت میں ''مرج البحرین'' تھے۔ وہ ظاہری علوم اور باطنی علوم کا سنگم تھے۔ ان کی قربانیوں کی وجہ سے انگریز کے دور میں بھی دین محفوظ رہا ہے۔ اسی بنا پر ہم آج اس دین پر عمل کرنے کے قابل ہیں۔

علمی ورثہ کی حفاظت

دنیا کے دوسرے ممالک کو دیکھئے البانیہ، بوسنیا اور کوسووا جہاں پر غیر مسلموں نے غلبہ کیا وہاں مسلمانوں کی زندگیوں میں سے علم بالکل ختم ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں لوگوں کو کلمہ پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ جب کہ اس برصغیر میں انگریز کی دو سو سال کی حکومت بھی ہم سے علمی ورثہ نہ چھین سکی۔ یہ دین والی نعمت باقی رہی اور الحمد للہ آج ہم اس دین کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔

فرنگی تہذیب کے خلاف کارروائیاں

یہ حفاظت بھلا کیسے ہوئی؟ اس کے پیچھے لاکھوں علماء کی قربانیاں موجود ہیں۔ کچھ عشاق تو وہ تھے جو جان کے نذرانے پیش کر گئے اور کچھ وہ تھے کہ جنہوں نے فرنگی تہذیب کے خلاف زندگی گزار کر پابند سلاسل ہو کر مشکلات میں زندگی گزاری مگر دین کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ چٹائیوں پر بیٹھنے والے ان حضرات نے اپنے لئے بھی غربت برداشت کی اور اپنی اولاد کے لئے بھی مگر دین کی حفاظت کر گئے۔ ہر طالب علم کو اپنے اسلاف کی اس تاریخ کا علم

ہونا ضروری ہے۔ علماء حضرات تو پہلے ہی جانتے ہیں تاہم اپنا سبق یاد کرنے کی خاطر یہ عاجز آج اپنے ان اسلاف کی باتیں عرض کرے گا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد

۱۶۰۱ء میں انگریزوں کا ایک قافلہ واسکوڈے گاما کی سربراہی میں بمبئی کے ساحل پر اترا اور اس نے مغل بادشاہوں سے کہا کہ ہم یہاں پر تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی مادی ترقی نے وقت کے حکمرانوں کو بڑا متاثر کیا۔ چنانچہ انہوں نے دل کھول کر ان کو خوش آمدید کہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام پر ایک فرم بنی جس کے دفاتر مختلف علاقوں میں کھولے گئے۔ ۱۰۰ سال کے عرصے میں اس کی تجارت اتنی چمکی کہ اکثر و بیشتر تجارتی معاملات اس کی مٹھی میں آ گئے۔

انتظامی امور و مداخلت

جب انگریز نے دیکھا کہ تجارت پر اس نے قابو پا لیا ہے تو اس نے انتظامی امور میں بھی عمل دخل شروع کر دیا۔ چنانچہ ۱۷۰۱ء تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرچم لہرا رہے تھے۔ انگریز چھوٹے چھوٹے علاقوں کا نظام اپنے ہاتھ میں لے رہا تھا۔ ظاہر میں تجارت تھی لیکن اندر نیت یہ تھی کہ ہمیں بالآخر اس ملک پر قابض ہونا ہے۔ فرنگی ان کاموں کو اتنی چالاکی، عیاری اور ہوشیاری سے کر رہا تھا کہ وقت کے حکمرانوں نے اس کا ادراک نہ کیا۔ ۱۷۴۰ء تک انگریز چار مختلف صوبوں کا گورنر بن چکا تھا۔ قدرت کے کچھ فیصلے ہوتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت

ایک طرف فرنگی کوششیں اتنی زیادہ ہو رہی تھیں تو رب کریم نے دوسری طرف ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک بندے کو پیدا کیا۔ چنانچہ دہلی کے ایک بزرگ عالم شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک بیٹا ہوا۔ جن کا نام انہوں نے ولی اللہ رکھا۔ ۱۷۰۲ء میں شاہ ولی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ انگریزوں کے اس ملک میں آنے کے پورے ایک سو سال بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

اکتساب علم

جب اپنی جوانی کی عمر کو پہنچے تو مقامی علماء سے جو علم حاصل کرنا تھا کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں شیخ ابو طاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا۔ شاہ ولی اللہ وہ عالم دین ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جن کی کتابیں "حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ، فیوض الحرمین، اکثر علماء کی نظروں سے گزری ہوں گی۔ انہوں حرمین شریفین سے واپس ہندوستان آ کر باقاعدہ دین کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے

اللہ رب العزت نے انہیں فرزند ارجمند عطا کئے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ

رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ سب آفتاب اور ماہتاب تھے۔ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کے مصداق تھے۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ ۱۷۶۲ء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات ہوئی۔

انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ

اس کے بعد ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان کی مسند پر بیٹھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے فراست مومنانہ عطا کی تھی۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ فرنگیوں کے ارادے خطرناک ہیں۔ یہ ہم سے فقط ہماری دنیا ہی نہیں لینا چاہتے بلکہ ہمارا دین بھی چھیننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ۱۷۷۲ء میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرنگیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا کہ ان کو ملک سے نکالو اور آزادی حاصل کرو کیوں کہ یہ مسلمانوں کے اوپر فرض ہو چکا ہے۔

فتویٰ کا نتیجہ

چنانچہ ۱۷۷۲ء کے اس فتوے کے بعد جتنی بھی آزادی کی تحریکیں چلیں وہ دراصل اس فتویٰ کا نتیجہ تھا۔ تحریک ریشمی رومال، جنگ آزادی، تحریک ترک موالات اور تحریک بالاکوٹ یا اس طرح کی جتنی بھی کوششیں تھیں وہ سب کی سب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کا نتیجہ تھیں۔ مسلمانوں کے اندر ایک شعور پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ فرنگی لوگ فقط اپنی تجارت ہی نہیں چمکانا چاہتے

بلکہ اپنی تہذیب کو بھی یہاں پر ٹھونس کر اپنا طرز زندگی بھی دینا چاہتے ہیں۔ اس شعور کے پیدا ہونے کے بعد دوسرے علمائے کرام نے بھی اس حقیقت کو محسوس کیا کہ ہمیں فرنگی سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔

معرکہ سرنگا پٹم

چنانچہ ۱۷۹۲ء میں سرنگا پٹم میں حیدر علی کے بیٹے سلطان ٹیپو نے انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی۔ یہ دل میں دین کا درد رکھنے والا بندہ تھا۔ وہ اپنے کئی فوجیوں کو لے کر انگریز کے ساتھ نبرد آزما ہوا مگر اس کی فوج کے اندر ایک منافق بھی تھا جس کا نام میر صادق تھا۔ انگریزوں نے میر صادق کو ۹۰۰ مربع زمین دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ میر صادق کی منافقت کی وجہ سے سلطان ٹیپو کو شہادت نصیب ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب نہ ہو سکی۔

جنگ پلاسی

جب انگریزوں نے میسور پر قبضہ کر لیا تو وہ بڑے مطمئن ہوئے کہ چلو مسئلہ حل ہو گیا۔ مگر اس کے کچھ عرصہ بعد نواب سراج الدولہ نے انگریز کے ساتھ پلاسی کی جنگ لڑی۔ اس کی فوج میں بھی ایک منافق تھا جس کا نام میر جعفر تھا۔ اس کو انگریز نے حسب عادت مال و دولت کا لالچ دیا تو اس نے سارے راز ان کو بتا دیے۔ چنانچہ ۲۴ گھنٹے کے اندر یہ جنگ پلاسی بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچی اور انگریز اس میں بھی غالب رہا۔

رنجیت سنگھ کی تعیناتی

جب انگریز نے میسور اور پلاسی کی یہ جنگیں جیت لیں تو اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ تحریکیں کیوں کھڑی ہو رہی ہیں۔ ان کا کچھ پکا بندوبست کرنا چاہئے تاکہ آئندہ ہمارے خلاف کوئی تحریک کھڑی ہی نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے اوپر اپنا شکنجہ کسنا شروع کر دیا۔ لیکن اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر میں مسلمانوں پر بلاواسطہ مظالم ڈھاؤں گا تو وہ انگریزوں کے اور زیادہ مخالف بن جائیں گے۔ چنانچہ ۱۸۲۲ء میں اس نے رنجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر بنا دیا۔

رنجیت سنگھ کے مظالم

رنجیت سنگھ نے انگریز کے اشارے پر مسلمانوں کا وہ برا حشر کیا کہ جس کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ علماء کو قتل کیا، مسلمانوں کی عورتوں کو بے آبرو کیا، ان کی جائیدادیں اور املاک کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ جس طرح سے بھی وہ مسلمانوں کو پریشان کر سکتا تھا اس نے کرنے میں کوئی کمی نہ کی۔ ۲ سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد

بالآخر دل میں دین کا درد رکھنے والے ایک بزرگ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اب کسی نہ کسی کو قربانی دینا ہو گی تاکہ مسلمانوں کو ان مصیبتوں

سے نجات مل سکے۔ لہٰذا وہ اور ان کے شاگرد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جن کے ساتھ تقریباً ۹۰۰ کے قریب مجاہدین اور ۱۰۰۰۰ مریدین تھے۔ انہوں نے انگریز کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور درۂ خیبر کے راستے پشاور کے اندر داخل ہوئے۔ پہلے حملے میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور کو فتح کرلیا۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد

اس کے بعد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور کے چوک میں کھڑے ہو کر شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا، شراب کی بندش کا اعلان کیا، یہ یکم مئی اتوار کا دن تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ۱۹۷۲ء میں حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ جو انہی کے روحانی فرزند تھے جب اللہ رب العزت نے ان کو وہاں کا چیف منسٹر بنایا تو انہوں نے بھی پشاور کی اسی جگہ پر شراب کی بندش کا اعلان کیا۔ وہ بھی یکم مئی اتوار کا دن تھا۔ پشاور پر فتح حاصل کرنے کے بعد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قافلہ آگے بڑھا۔ شنکیاری اور اکوڑہ خٹک کو فتح کرتے ہوئے بالاکوٹ کی طرف بڑھا۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا دوٹوک جواب

پنجاب کے گورنر رنجیت سنگھ نے پیغام بھیجا کہ اٹک سے ادھر کا علاقہ تم سنبھالو اور ادھر کا علاقہ ہم سنبھالتے ہیں۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے زمین کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے لوگوں کے دین کی ضرورت ہے۔ میں تو دین کی حفاظت کے لئے یہ قدم اٹھا چکا ہوں۔ میں اپنے قدم بڑھاؤں گا یا تو

مجھے فتح نصیب ہو گی یا پھر مجھے شہادت نصیب ہو گی۔

دو جرنیلوں کی شہادت

چنانچہ انگریز کی ایماء پر رنجیت سنگھ نے اپنی فوج لے کر وہاں مقابلے کے لئے آ گیا۔ بالاکوٹ کے قریب سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ انگریز نے مقامی دیہاتوں کو لالچ دے کر ان سے معلومات حاصل کیں اور تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا۔ ۵ر مئی کو سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ہوئی تو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پھر انگریز سے جنگ کرنی شروع کر دی۔ چار دن یہ معرکہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ ۹ر مئی کو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی قبور آج بھی بالاکوٹ میں موجود ہیں۔

شاہ اسماعیلؒ کی کرامت

تاریخ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہوا ہے کہ جب شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ چاروں طرف سے گھیر لئے گئے تو ایک سکھ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہے اور دوسرے نے ان کے اوپر تلوار تان لی۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں عشق رسالت کی ایسی کیفیت تھی کہ آپ ان نازیبا الفاظ کو سن کر تڑپ اٹھے اور آپ نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میں تیرا کام تمام نہیں کر لوں گا۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کے اوپر خنجر لہرایا مگر دوسرے سکھ نے آپ پر تلوار کا وار کیا،

آپ کا سر آپ کے تن سے جدا ہو کر گر گیا۔ عجیب بات ہے کہ بدن چوں کہ حرکت میں آ چکا تھا اور ہاتھ میں خنجر تھا لہٰذا بدن بغیر سر کے اس کے پیچھے بھاگتا رہا۔ جب سکھ نے دیکھا کہ بغیر سر کے یہ بدن میری طرف بھاگ رہا ہے تو وہ ڈر کے مارے پیچھے گرا۔ آپ اس کے اوپر گرے اور آپ کا خنجر اس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس طرح آپ کی قسم اللہ رب العزت نے پوری فرما دی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے ہاں ان کا وہ مقام ہوتا ہے کہ جب وہ قسم کھا لیا کرتے ہیں تو اللہ رب العزت ان کی قسم کو پورا کر دیا کرتے ہیں۔ لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ۔

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتب

چنانچہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تقویۃ الایمان" اور "منصب امامت" آپ کے یقین کامل کی نشانیاں ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام "سلک نور" اب چھپ چکا ہے اور آپ کے دل میں جو عشق رسول ﷺ تھا اس کا اندازہ اس نعتیہ کلام کو پڑھ کر ہوتا ہے۔

انگریز کے خلاف علمائے دیوبند کا مشورہ

جب انگریز اس میدان میں بھی غالب آ گیا تو بقیہ علماء نے ۱۸۵۶ء میں آپس میں مشورہ کیا کہ انگریز کے خلاف ہمیں کوئی اور قدم اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ اس میں مولانا جعفر تھانیسری، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی وغیرہم

حضرات موجود تھے۔ مشورے میں یہ بات آئی کہ ہماری افرادی قوت بہت کم ہے، ہم انگریز کے خلاف کیسے لڑ سکتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ کیا ہماری تعداد غازیان بدر سے بھی تھوڑی ہے؟ آپ کے ان الفاظ سے دوسرے علماء کے اندر بھی شہادت کا جذبہ جاگ اٹھا چوں کہ یہ ۳۱۳ کی تعداد سے تو زیادہ تھے چنانچہ فیصلہ ہوا کہ جو مرضی ہو ہمیں انگریز کے خلاف جہاد کرنا ہے۔

جنگ آزادی

سال بھر اس مشورہ پر عمل درآمد کی تیاری ہوتی رہی۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی لڑی گئی، اس کے دو محاذ بنائے گئے ایک محاذ انبالہ میں جس کے قائد مولانا جعفر تھانیسری تھے اور دوسرا محاذ شاملی میں جس کے سپہ سالار حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مقابلہ ہوا، حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ کو شہادت بھی ملی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو زخم بھی آئے چوں کہ انگریز تعداد میں بہت زیادہ تھا اس لئے انگریز کا پلہ بھاری رہا اور علماء کو پھر بھی فتح نصیب نہ ہو سکی۔

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

جب یہ مختلف واقعات پیش آئے تو وائسرائے سے برطانیہ کے حکمران نے یہ پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کچھ دنوں کے بعد کوئی نہ کوئی تحریک شروع

ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کی وجوہات بتاؤ تا کہ اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے برطانیہ سے اپنے مبصرین اور تجزیہ نگار بلائے جنہوں نے آ کر حالات کا جائزہ لیا اور کہا کہ اس وقت تک تحریکیں اٹھتی رہیں گی جب تک ان تین چیزوں کو ختم نہ کر دیا جائے۔

☆ سب سے پہلے قرآن مجید کو ختم کرنا چاہئے۔

☆ علمائے کرام کو ختم کرنا چاہئے۔

☆ جذبۂ جہاد کو ختم کرنا چاہئے۔

یہ تین باتیں لب لباب تھیں۔

علمائے کرام کا قتل

چنانچہ انگریز نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا تین سال کے اندر قرآن پاک کے تین لاکھ نسخے نذر آتش کر دئے اور ۱۴۰۰۰ علمائے کرام کو پھانسی دی گئی۔

تھامسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ دہلی سے لے کر پشاور تک جرنیلی سڑک کے دونوں طرف کوئی بڑا درخت ایسا نہیں تھا جس پر کسی عالم کی لاش لٹکتی نظر نہ آ رہی ہو۔ بادشاہی مسجد میں پھانسی کا پھندہ لٹکایا گیا اور دیگر مسجدوں کے اندر علمائے کرام کو پھانسی دی گئی۔

تھامسن اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ میں دہلی گیا تو کیمپ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے وہاں انسانی گوشت کے جلنے کی بدبو محسوس ہوئی۔ میں پریشان ہو کر

اٹھا کہ یہ کیا معاملہ ہے جب کیمپ کے پیچھے جا کر دیکھا تو کچھ انگریزوں نے انگارے جلائے ہوئے تھے اور چالیس علماء کو بے لباس کر کے ان انگاروں کے پاس کھڑا کیا ہوا تھا اور انہیں یہ کہا جا رہا تھا کہ تم ہمیشہ کے لئے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو نہیں تو تمہیں انگاروں پر لٹا دیں گے۔ انہوں نے انکار کیا تو چالیس علماء کو انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ یہ ان کے گوشت جلنے کی بدبو تھی جو خیموں میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ اسی طرح چالیس علماء شہید ہو گئے تو پھر چالیس اور علماء کو بھی اسی طرح اوپر لٹایا گیا۔

مولانا احمد اللہ گجراتی کا جواب

مولانا احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے۔ ایک انگریز نے ان سے کچھ عربی سیکھی تھی وہ انگریز اس وقت ان لوگوں میں سے تھا جو مسلمان علماء کو پھانسی دے رہے تھے۔ اس نے مولانا احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ میرے استاد ہیں، آپ صرف زبان سے کہہ دیں کہ میں اس تحریک آزادی میں شریک نہ تھا میں آپ کا نام پھانسی دینے والوں میں سے نکال دوں گا۔ احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں یہ بات کر کے اللہ رب العزت کے دفتر سے نام نکلوانا نہیں چاہتا۔ سبحان اللہ

تو ان حضرات نے اپنی جان کے نذرانے تو پیش کر دیے مگر انگریز کا ساتھ دینے پر تیار نہ ہوئے۔

ظلم کی انتہا

مولانا تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تاریخ کالا پانی'' میں لکھتے ہیں کہ ہم کئی علماء تھے جن کو گرفتار کر کے امرتسر جیل میں رکھا گیا پھر فیصلہ کیا گیا کہ ان کو لاہور بھیج دیا جائے۔ جب لاہور بھیج دیا گیا تو یہاں کے حکمرانوں نے فیصلہ کیا کہ ان کو سزا دی جائے تا کہ ان کی وجہ سے دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ وہاں کا انگریز حکمران اتنا ظالم تھا کہ اس نے لوہے کے پنجرے بنوائے جن کے چاروں طرف اس نے لوہے کی کیلیں لگوائیں اور اس کے اندر جگہ اتنی تھوڑی تھی کہ اس میں ایک آدمی فقط بیٹھ سکتا تھا۔ جب آدمی اندر بیٹھتا تو اس کی چاروں طرف کیلیں ہوتیں۔ علمائے کرام کو ان پنجروں کے اندر بند کر کے ریل کے ڈبے میں ان پنجروں کو رکھ دیا گیا۔ اس طرح ان کو لاہور سے ملتان پہنچایا گیا۔ فرماتے ہیں کہ ریل کے ڈبے کو جھٹکے لگتے تو ہم کبھی ادھر گرتے کبھی ادھر گرتے تو ہمارے کبھی اس طرف کیلیں چبھتیں اور کبھی اس طرف۔ جسم کے چاروں طرف کیلوں کی وجہ سے زخم بن گئے جن میں سے خون جاری رہتا۔

تین مہینے کے اندر ہمیں لاہور سے ملتان پہنچایا گیا۔ کئی کئی ہفتے یہ بوگیاں کھڑی رہتیں اور ہماری پرواہ نہ کی جاتی ہم گرمی میں پسینے کی وجہ سے پریشان ہوتے۔ کبھی گرمی میں پیاس کی شدت کی وجہ سے تڑپتے اور کبھی اپنے زخموں کی وجہ سے پریشان ہوتے۔ لگانے کے لئے مرہم بھی کوئی نہیں ہوتا تھا

اور ہمیں اتنی تکلیف میں رکھا گیا کہ ہم اس کی حقیقت الفاظ میں بیان ہی نہیں کر سکتے۔

تین مہینے ان کیلوں والے پنجروں میں رہ کر آخر ہم ملتان پہنچے وہاں ہمیں انگریز نے نکالا اور بتا دیا کہ ہمارے لئے پھانسی کا حکم ہو چکا ہے۔ جب ہم نے پھانسی کا حکم سنا تو ہمارے چہروں کے اوپر تازگی آگئی کہ الحمد للہ اب منزل قریب ہے۔

اگلے دن جب انگریز آیا تو اس نے دیکھا کہ علمائے کرام کے چہروں پر بڑی تازگی، بڑی رونق اور بڑا اطمینان ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آج تمہارے چہرے پر بڑا سکون نظر آ رہا ہے۔ ایک عالم نے کہا اس لئے کہ ہماری شہادت کا وقت قریب ہے۔ جب انگریز نے یہ سنا تو وہ سوچنے لگ گیا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے افسر سے رابطہ کیا کہ ان کو پھانسی دیں گے تو اس پر یہ خوشیاں منا رہے ہیں اور ہم ان علماء کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کو ساری عمر کے لئے کالا پانی کے اندر نظر بند کیا جائے۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ پھانسی کا فیصلہ واپس لیا جاتا ہے۔ اس موقع پر مولانا جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر لکھا۔

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

کہ اگر شہادت نصیب ہو جاتی تو رہائی ہو جاتی۔ سبحان اللہ! شہادت کی خاطر کتنا تڑپنے والے لوگ تھے۔

جذبۂ جہاد ختم کرنے کی ناکام کوشش

چنانچہ انگریز نے علماء کو پھانسی دینے کے بعد تیسرا کام یہ کیا کہ اس ملک کے اندر کچھ ایسے فرقے دین کے نام پر پیدا کیے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ انگریز کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے۔ اس تاریخ کے پس منظر میں یہ سب باتیں سمجھنی آسان ہو جائیں گی کہ انگریز کا ساتھ دینے والے کون تھے؟ یعنی میر جعفر اور میر صادق کون تھے جنہیں مربعے الاٹ ہو گئے۔ آپ کو بڑے بڑے زمین دار ملیں گے جن کی تاریخ انگریزوں تک ملے گی اور جو حضرات قربانیاں دینے والے ملیں گے ان کی تاریخ ہمارے اسلاف کے ساتھ جا کر ملے گی چنانچہ انگریز نے ان تینوں باتوں پر عمل درآمد کیا۔ قرآن مجید کے نسخے ضائع کیے۔ علمائے کرام کو شہید کیا اور اس امت سے جذبۂ جہاد کو ختم کرنے کے لئے جہاد کی حرمت پر فتوے جاری کروائے۔

دس ہزار مدارس بند

مختلف مدارس اس وقت وقف کی جائیداد سے چلا کرتے تھے۔ چنانچہ انگریز نے وقف کی تمام املاک کو اپنے قبضے میں لے لیا اور یوں گویا مدارس کی شہ رگ کو کاٹ دیا گیا۔ چنانچہ فقط دہلی شہر میں ایک ہزار مدارس بند ہو گئے۔ بڑے بڑے مدارس کی تعداد دس ہزار تھی جن کو بند کر دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ رحیمیہ پر بلڈوزر پھیر دیا گیا اور بالکل برابر کر دیا گیا۔ انگریز اپنی طرف سے پورا بندوبست کر چکا تھا۔ اس میں اس کو

گئی سال لگے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

۱۸۶۱ء میں پھر اللہ کے ایک مقبول بندے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مسلمانوں سے ان کی دنیا تو چھین لی گئی، یہ کوئی اتنا بڑا نقصان نہیں ہے لیکن مسلمانوں سے تو اب ان کا دین چھینا جارہا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ لہٰذا اس کی تلافی کی کوئی صورت ہونی چاہیے۔ ان کی سسرال دیوبند میں تھی اور یہ چھوٹی سی بستی تھی۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں انہوں نے اس چھوٹی سی بستی میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ چھوٹی بستی کو اس لئے منتخب کیا گیا کہ بڑے شہر کی سرگرمیاں حکومت وقت کی نظر میں فوراً آجاتی ہیں، چھوٹی بستی سے کام شروع کریں گے تو کسی کی نظر میں ہی نہیں آئیں گے۔ واقعی ان کی بات سچی نکلی۔ ۱۸۶۷ء میں جب انہوں نے یہ کام شروع کیا تو ۳۰ مئی کا دن تھا اور پندرہ محرم الحرام کی تاریخ بنتی تھی جب دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ انار کے ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد، پڑھانے والے کا نام ملا محمود رحمۃ اللہ علیہ اور پڑھنے والے کا نام محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ پہلا قدم جو اٹھایا گیا ہے بالآخر اسے کتنا بڑا علمی مرکز بننا ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کے دلوں کو علمی معارف سے سیراب کرنا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا جب سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں آج دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد ایک ایسی ہستی سے رکھواؤں گا جس نے اپنی زندگی میں کبیرہ گناہ تو کیا کرنا، دل میں کبھی کبیرہ گناہ کرنے کا مصمم ارادہ بھی نہیں کیا۔

شاہ حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

مولانا اصغر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں شاہ حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ منے شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا قد دیکھنے میں اتنا بڑا نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا تھا۔ وہ گھاس کاٹتے اور بیچ کر اپنی زندگی گزارتے تھے۔ وہ تھوڑے پیسے روزانہ بچاتے رہتے۔ پورے سال میں ان کے پاس اتنے پیسے جمع ہو جاتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ کی ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں دعوت کرتے تھے۔ اساتذہ لکھتے ہیں کہ ہم سارا سال ان کی دعوت کے منتظر رہتے کیوں کہ جس دن ہم ان کے گھر کا کھانا کھاتے تھے چالیس دن تک ہمیں اپنی نمازوں کی حضوری میں اضافہ محسوس ہوتا تھا۔ ایسے پرہیزگار انسان نے دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا۔

عابد کے یقیں سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ اخلاص کا ایسا تاج محل بنا دیا کہ دنیا میں کوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ وہ پاکیزہ ہستیاں ہیں جن کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی اینٹ میں اتنی برکت پیدا ہوئی کہ اس دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی یونیورسٹی بنایا کہ آج

مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب غرض ہر طرف دارالعلوم کا فیض نظر آتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فیض

اللہ رب العزت نے اس عاجز کو دین کی نسبت سے دنیا کے چالیس سے زیادہ ملکوں میں سفر کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ اس جگہ بھی گئے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی، سائبیریا میں بھی گئے جہاں ہر طرف یخ بستہ ہوائیں اور برف ہی برف نظر آئی، ہم نے برف پر نمازیں پڑھیں، ایسی جگہ بھی دیکھی جس کو End of the world (دنیا کا آخری کنارہ) کہتے ہیں۔ حکومت نے یہ بات وہاں لکھی ہوئی ہے۔ کیوں کہ جون کے مہینے میں ایک ایسا دن آتا ہے جب وہاں پر تقریباً ایک لاکھ سیاح اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں پر ایک دلچسپ منظر یہ ہوتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے لئے سمندر کے پانی کے قریب آتا ہے اور غروب ہونے کے بجائے دوبارہ طلوع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کے سائنس دان اس جگہ کو دنیا کا آخری کنارہ کہتے ہیں۔ افریقہ کے جنگل بھی دیکھے اور امریکہ کی دنیا بھی دیکھی لیکن ایک بات عرض کردوں کہ یہ عاجز جہاں بھی گیا، آبادی تھی یا جنگل تھا، پہاڑوں کی چوٹیاں تھیں یا زمین کی پستیاں تھیں، وہاں پر دارالعلوم دیوبند کا کوئی نہ کوئی روحانی فرزند بیٹھا دین کا کام کرتا نظر آیا۔ دارالعلوم دیوبند کو اتنی قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔

جبال علم

الحمد للہ یہ قبولیت عند اللہ ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں اس مادر علمی کے روحانی فرزند بیٹھے ہوئے دین کا کام کر رہے ہیں اور لوگوں کے سینوں کو نور سے بھر رہے ہیں۔ بہر حال علماء دیو بند نے علمی کام جو شروع کیا تو یہاں سے نکلنے والے طلبا جبال علم بن گئے۔ ایک ایک طالب علم ایسا تھا کہ جو اپنے وقت کا آفتاب اور ماہتاب ثابت ہوا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتی کہ حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسلاف کے اس علمی و عملی تسلسل کو جاری رکھا۔ انگریز کے خلاف جہاد کی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

دار العلوم دیو بند بمقابلہ علی گڑھ کالج

مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد تھے۔ ایک کا نام تھا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ انہوں نے دار العلوم دیو بند کی بنیاد رکھی اور ایک کا نام تھا احمد خان جو سرسید احمد خان کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد میں اس نے ایک کالج کی بنیاد رکھی۔ علی گڑھ میں اسی نے انگریزی زبان سکھانے کو زیادہ ترجیح دی جب کہ دار العلوم دیو بند میں خالصتاً دینی علوم کو پڑھانے پر زیادہ توجہ دی گئی تو یہ دونوں بڑی درس گاہیں اس وقت کی تھیں۔ علی گڑھ نے کلرک پیدا کئے لیکن دیو بند نے محدثین و مفسرین پیدا کئے اور منبر و محراب کو سلامت رکھا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی علی گڑھ آمد

۱۹۲۰ء میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھ تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں جا کر اپنے اسلاف کی اس تاریخ کو بیان کیا۔ اس کو سن کر علی گڑھ کے طلبا میں دین کا درد پیدا ہوا اور اس کے بعد پھر وہاں سے مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شوکت علی اور شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ یہ اصل میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جذبہ جہاد تھا جس نے طلبا کے دلوں کو سوز عشق سے بھر دیا تھا۔ جب آپ نے تقریر کر لی تو چند طالب علموں نے ایک سوال پوچھا کہ آپ انگریز کے ساتھ صلح کیوں نہیں کر لیتے؟ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک عجیب شعر پڑھا۔

ہائے یہ صرف تمنا کی زبان سے دوریاں
اس قدر یہ سختیاں دشواریاں مجبوریاں
یاد ایام جفا آخر بھلائیں کس طرح
دل فرنگی سے لگائیں تو لگائیں کس طرح

اس کے بعد ان طلبا کو پتہ چلا کہ ہمارے راستے جدا ہیں ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا ہونا مشکل ہے۔ ان کا دین اور ہے اور ہمارا دین اور ہے

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا علمی فیض

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر شخصیت کا علمی فیض بہت زیادہ تھا۔ شاہ جہان پور میں ایک مباحثہ ہوا کرتا

تھا جس میں ہندو اور عیسائی سب مذاہب کے لوگ آتے تھے۔ حضرت نے وہاں جا کر اسلام کے عنوان پر بیان کیا۔ حتی کہ غیر مسلموں کو لاجواب کر دیا۔ آج کل مباحثہ شاہ جہان پور کے نام سے بازاروں میں چھوٹا سا پمفلٹ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فلسفہ اور منطق کا وہ علم دیا تھا کہ کوئی ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

شورش کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اظہار عقیدت

شورش نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا

شارع کون و مکاں کی راہ دکھلاتا رہا
گمرہان شرک کو توحید سکھلاتا رہا
اس صدی میں عصر حاضر کا فقیہ بے مثال
سنت خیر الوریٰ کے زمزمے گاتا رہا
پرچم اسلام ابر درخشاں کے روپ میں
بت کدوں کی چار دیواری پہ لہراتا رہا

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور عشق رسول ﷺ

دل میں عشق رسول ﷺ اس قدر تھا کہ ان کا نعتیہ کلام پڑھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں عجیب اشعار لکھتے ہیں۔

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقش روئے محمد بنایا گیا
پھر اسی نور سے مانگ کر روشنی
بزم کون و مکاں کو سجایا گیا
وہ محمد بھی احمد بھی محمود بھی
حسن فطرت کا شاہد بھی مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیر محدود بھی
ظاہرا امیوں میں اٹھایا گیا

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں عجیب اشعار کہا کرتے تھے۔ حج پر حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے۔ نازک بدن تھے کسی نے کہا، حضرت! آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں گے۔ فرمایا، ہاں میں نے جوتے اس لئے اتار دیئے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ جس جگہ پر میرے آقا ﷺ کے مبارک قدم لگے ہوں قاسم نانوتوی کا جوتوں والا پاؤں عین اسی جگہ پر پڑ جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں نام میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مرغ و مار

سبحان اللہ، عشق رسول ﷺ سے ان کا دل بھرا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ روضہ انور پر تشریف لے گئے تو وہاں جا کر عجیب شعر کہے

دمکتا رہے تیرے روضے کا منظر
چمکتی رہے تیرے روضے کی جالی
ہمیں بھی عطا ہو وہ جذب ابو ذرؓ
ہمیں بھی عطا ہو وہ روح بلالیؓ

ایک مرتبہ آپ کو حجرہ مبارک کے اندر جانے کا موقع ملا جب حجرہ مبارک کے اندر گئے تو واپسی پر آپ کے اوپر ایک عجیب کیفیت تھی۔ لوگوں نے دیکھا کہ بڑا پر انور چہرہ اور عجیب کیفیت ہے تو کسی شاگرد نے پوچھا کہ حضرت! اندر کیفیت کیا تھی؟ تو حضرت نے اشعار میں جواب دے دیا۔

فرمایا

میرے آقا کا مجھ پر تو اتنا کرم تھا
بھر دیا میرا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنے کرم کا عجب سلسلہ تھا
نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

جب مدینہ طیبہ سے واپس ہونے لگے اور آخری وقت آپ نے روضہ انور پر نظر ڈالی تو اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ میں تجھ سے جدا ہوتا

اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی محبت ان کے دل میں سمائی ہوئی تھی۔

اتباع سنت

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس محبت کی وجہ سے ایک ایک سنت پر ان کا عمل تھا۔ ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی موت کے وارنٹ جاری کر دئے گئے۔ جب پتہ چلا تو آپ روپوش ہو گئے۔ روپوش ہونے کے پورے ۳ دن بعد آپ باہر نکل آئے۔ کسی نے کہا کہ حضرت انگریز آپ کو ڈھونڈ رہا ہے اور آپ کی موت کے وارنٹ جاری ہیں۔ آپ نے فرمایا، میں نے اپنے آقا کی زندگی پر غور کیا مجھے غار ثور میں روپوشی کے تین دن نظر آتے ہیں۔ لہذا میں بھی تین دن غائب رہا۔ اس کے بعد باہر نکل آیا ہوں۔ انگریز اگر پکڑ لیں تو میں اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے سپرد کر جاؤں گا۔ سنت کا اتنا لحاظ اور خیال رکھا کرتے تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور عشق رسول ﷺ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس دار العلوم دیوبند کے دوسرے سپوت تھے۔ اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ اکثر علماء کی نظروں سے گزرتا رہتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کو قطب الارشاد بنا دیا۔ چالیس سال تک حدیث پاک کا درس دیا اور اتنی محبت کے ساتھ درس

دیا کہ ایک مرتبہ طلبا کو درس حدیث پڑھا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی۔ طلبا نے فوراً اپنی کتابیں بغل میں دبائیں اور اپنے کمروں کی طرف بھاگے۔ ان کے جوتے وہیں رہ گئے۔ حضرت نے اپنے رومال کو وہیں بچھایا اور ان طلبا کے جوتے اس رومال کے اندر رکھے، گٹھڑی بنائی اور اپنے سر پر اٹھا کر کمرے میں لے آئے۔ جب طلبا نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ کہنے لگے حضرت! آپ ہمارے جوتے اٹھا کر لے آئے۔ ہم خود اٹھا لیتے۔ آپ نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہیں میں ان کے جوتے نہیں اٹھاؤں گا تو پھر اور کیا کروں گا۔ اندازہ لگایئے کہ ان حضرات کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیسی محبت تھی۔

کسی نے مسجد نبوی کی تھوڑی سی مٹی لا کر دی اور کہا حجرے کی صفائی کرتے ہوئے میں یہ مٹی لے کر آیا ہوں تو آپ نے اس کو اپنی سرمہ کی شیشی میں ڈال دیا۔ فرمایا، اچھا اگر یہ روضہ انور کی مٹی ہے تو ہم اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالیں گے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کی چند کھجوریں ملیں۔ آپ نے شاگرد سے کہا کہ میرے جتنے دوست ہیں ان کی فہرست بناؤ اور ان کھجوروں کے اتنے حصے کرو تاکہ سب کو ہدیہ بھیجیں۔ اس نے کہا حضرت! یہ کھجور کا ٹکڑا تو بہت ہی چھوٹا ہے۔ فرمایا، اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں تجھ سے بولنا چھوڑ دیتا۔ اس لئے کہ مدینہ کی کھجور کے ٹکڑے کو تو نے چھوٹا کہہ دیا۔ یہ

چھوٹے کا لفظ ہی استعمال کیوں کیا۔ اتنی محبت تھی۔ چنانچہ جب کھجور کھا لیتے تو گٹھلی کو پیس کر اس کا برادہ منہ میں لے کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے تاکہ وہ بھی جزو بدن بن جائے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور خوف خدا

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وہ دارالعلوم دیوبند کے تیسرے سپوت تھے جنھوں نے انگریز کے خلاف آزادی حاصل کرنے کے لئے بہت نمایاں کام کیا۔ ان کے بارے میں شورش کشمیری لکھتے ہیں۔

گردش دوراں کی سنگینی سے ٹکراتا رہا
مالٹا میں نغمہ مہر و وفا گاتا رہا

مالٹا میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ پابند سلاسل رہے۔ ان کے کچھ اور شاگرد حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا عزیز گل وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ انگریز نے ان پر بہت سختیاں کیں۔ مگر یہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

ایک عجیب واقعہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب انگریز نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ان کو پھانسی دے دی جائے تو یہ اطلاع ملنے کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر بہت گریہ طاری رہتا تھا۔ آپ نے بہت زیادہ رونا شروع کر دیا۔ آپ کے شاگرد حیران ہوتے کہ ہمیں پھانسی کا حکم ہو گیا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے لیکن جب اپنے شیخ کو دیکھتے تو وہ خوب کثرت کے ساتھ روتے اور گریہ بکا صبح و شام کرتے نظر آتے ہیں۔ دل اتنا نرم ہو چکا تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر

رونے لگ جاتے۔ حتیٰ کہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عزیز گل رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں سوچا کہ ہم کسی وقت حضرت کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اتنا رونے کی کیا وجہ ہے۔ اگر پھانسی کا حکم آچکا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے۔ اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ ایک موقع پر کھانے سے پہلے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ آج کل بہت زیادہ روتے ہیں، آپ کے اوپر بہت زیادہ گریہ طاری ہوتا ہے آخر کیا وجہ ہے۔ پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جان کو اپنے راستے میں قبول کر لیں گے۔ یہ تو کوئی ایسی رونے والی بات نہیں ہے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت ان کو ذرا رعب بھری نظروں سے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ ہمارے تو اس وقت پسینے چھوٹ گئے کہ حضرت اتنے جلال سے ہمیں دیکھ رہے ہیں اور پھر اس کے بعد فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو میں موت کے خوف سے یا پھانسی کے خوف سے نہیں روتا بلکہ میرے ذہن میں کوئی اور بات ہے۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! پھر ہمیں بھی بتا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا میرے دل میں یہ بات آگئی کہ اللہ رب العزت بے نیاز ہیں، میں اس کی شان بے نیازی کی وجہ سے روتا ہوں۔ اس لئے کہ کبھی کبھی وہ بندے سے جان بھی لے لیا کرتا ہے اور اس کی جان کو قبول بھی نہیں کیا کرتا۔ میں تو اس لئے روتا ہوں کہ اے اللہ! اگر تو نے جان لینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میرے مولا! اس کو قبول بھی فرما لینا۔

تشدد کی انتہا

حکیم اجمل خان آپ کے مریدین میں سے تھا۔ آپ بیمار تھے اور اس کے یہاں علاج معالجہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ وہیں ۱۹۲۰ء میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں سے جنازہ اٹھایا گیا۔ جب ان کو غسل دیا جانے لگا تو غسل دینے والے نے دیکھا کہ آپ کی پشت کے اوپر گہرے زخم کے نشان موجود ہیں۔ ایسی پشت کبھی دیکھی نہیں تھی۔ لوگ پریشان تھے کہ آخر یہ کیا بات تھی کہ آپ کی پشت پر اتنے گہرے گہرے نشان ہیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کلکتہ میں تھے۔ وہ بھی وفات کی خبر سن کر وہاں پہنچے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت راز فاش کیا اور کہا کہ اصل میں مالٹا میں ان کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا اور انگریز کہتا کہ تم ہمارے ساتھ وفاداری کا عہد کرو اور ہمارے حق میں فتویٰ دو، ورنہ ہم تمہیں آگ کے انگاروں پر لٹائے رکھیں گے۔ حضرت کے خون سے آگ کے انگارے بجھتے، اتنی تکلیف اٹھاتے مگر انگریز سے کہتے رہتے، انگریز! میں کبھی تیرے حق میں فتویٰ نہیں دے سکتا۔ ارے میں بلال رضی اللہ عنہ کا وارث ہوں، جن کو ریت کے اوپر لٹایا جاتا تھا اور سینے پر چٹانیں رکھ دی جاتی تھیں۔ میں تو خبیب رضی اللہ عنہ کا وارث ہوں جن کی کمر کے اوپر زخموں کے نشانات تھے۔ میں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کے چہرے پر سیاہی مل کے ان کو مدینہ بھر میں پھرایا گیا تھا۔ میں تو

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کا جنازہ جیل سے نکلا تھا۔ میں تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کو ستر کوڑے لگائے گئے تھے۔ میں علمی وارث ہوں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا میں روحانی فرزند ہوں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا، بھلا میں تمہاری اس بات کو کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ سب تکالیفوں کو برداشت کر لیتے تھے مگر زبان سے انگریز کے حق میں کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ یہ ان کی قربانیاں تھیں بالآخر انگریز کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ انگریز نے پہلے فیصلہ کیا تھا کہ ان کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ پھانسی نہیں دیتے چلو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ انگریز کو فیصلہ بدلنا پڑا۔ اللہ رب العزت نے ان کی عزم و استقامت کی وجہ سے ان کو کامیابی عطا فرمادی۔ کتنی عجیب بات کہی۔

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا
ٹوٹے جو ستارہ تو زمیں پہ نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

آپ تو سمندر تھے بھلا دریا میں کیسے گر سکتے تھے۔ آپ کے اس عزم و استقامت کو سلام کرنا چاہئے۔ اس وجہ سے اللہ رب العزت نے آپ کو یہ عظمت عطا فرمائی کہ الحمدللہ آپ کا علمی فیض خوب پھیلا۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مادر علمی کے فرزند ارجمند تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو علم کا وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ ایک ہی وقت میں مفسر بھی تھے، فقیہ بھی تھے اور صوفی بھی تھے۔ اللہ رب العزت نے دین کے ہر شعبے میں ان کو بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ زمانہ طالب علمی سے آپ کے اندر علمی جواہر نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ فارغ التحصیل ہوئے تو دارالعلوم کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ ان طلباء کی دستار بندی کی جائے۔ آپ اپنے چند طلباء اور ساتھیوں کو ساتھ لے کر حضرت شیخ الہندؒ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ حضرت ہم ایک فریاد لے کر آئے ہیں۔ آپ اسے پورا کر دیجئے۔ پوچھا، کون سی بات ہے؟ عرض کرنے لگے کہ حضرت! ہم نے کتابیں تو مکمل کر لیں، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ کی انتظامیہ ہماری دستار بندی کروانا چاہتی ہے۔ ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں، اگر ہماری دستار بندی کروا دی گئی تو دارالعلوم کی بدنامی ہو جائے گی کہ ایسے نالائق طلباء کی دستار بندی کروا دی ہے۔ آپ مہربانی فرمائیے اور دستار بندی نہ کروائیے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو جلال آ گیا، فرمایا اشرف علی! تم اپنے اساتذہ کے سامنے رہتے ہو اس لئے تمہیں اپنا آپ نظر نہیں آتا، جب ہم نہیں ہوں گے تو پھر تم ہی تم ہو گے اور واقعی وہی ہوا کہ جب یہ اساتذہ فوت ہو گئے تو پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا ڈنکا بجا کرتا تھا۔ سبحان اللہ، تھانہ

بھون کی خانقاہ اصلاح کے لئے اپنی مثال آپ تھی۔

کتابوں کی تعداد

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے اوپر (P.H.D.) پی ایچ ڈی کی۔ اس نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ۲۸۰۰ کتابوں کی فہرست بنائی جنہیں آپ نے اپنی زندگی میں خود لکھا یا ہدایات دے کر اپنے شاگردوں سے لکھوائیں۔

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال حافظہ

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو وہ قوت حافظہ عطا کی تھی کہ اس کی مثال اس قریب کے دور میں کہیں نہیں ملتی۔ مرزائیوں نے بہاولپور میں جب انگریز کی عدالت کے اندر مقدمہ لڑا اس وقت انہوں نے ایک تحریر پیش کی جس تحریر سے ان کے حق میں کوئی بات ثابت ہوتی تھی۔ اس تحریر کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا تھا کہ ان کی بات سچی ہے۔ انگریز جج نے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ تو جو بات کر رہے ہیں اس کی دلیل بھی دے رہے ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ذرا یہ کتاب مجھے دکھادیں۔ آپ نے کتاب دیکھی اور فرمایا کہ یہ لوگ دھوکہ دینا چاہتے ہیں، میں دھوکے میں آنے والا نہیں۔ میں نے آج سے ۲۷ رسال پہلے یہ کتاب دیکھی تھی اور مجھے عبارت آج بھی یاد ہے۔ انہوں نے درمیان سے ایک سطر کو حذف کر دیا ہے، لہٰذا دوسرا نسخہ منگوایا

جائے۔ چنانچہ دوسرا نسخہ منگوایا تو اس میں وہ سطر واقعی موجود تھی۔ جس سے مطلب مسلمانوں کے حق میں آتا تھا اور ان مرزائیوں کی دھوکہ دہی بے نقاب ہوگئی۔ لوگ حیران ہوگئے کہ ۲۷ رسال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا متن اس وقت بھی زبان یاد تھا۔ اللہ رب العزت نے بے مثال قوت حافظہ ان کو عطا فرمائی تھی۔

ہندوؤں کا قبول اسلام

چند ہندو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ لوگوں نے ہندوؤں سے کہا کہ تم مسلمان کیوں ہوگئے تو انہوں نے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ ہم نے یہ چہرہ دیکھ کر اسلام قبول کرلیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ایسا کمال عطا کیا تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور عشق رسول ﷺ

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ رب العزت نے عشق رسول ﷺ خوب بھر دیا تھا۔ ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ذی الحجہ کے جب پہلے دس دن آتے تو ان کی طبیعت کے اندر بے قراری آتی۔ چنانچہ ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں جسم یہاں ہوتا مگر دل وہاں ہوتا۔ سارا دن وہیں کے بارے میں سوچتے رہتے حتی کہ دستر خوان پر روٹی کھانے بیٹھتے تو بعض اوقات روٹی کھاتے اٹھتے جاتے اور کھڑے ہو کر کہتے، معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔ کوئی غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں

مانگ رہا ہوگا، کوئی مقام ابراہیم پر سجدہ ریز ہوگا، تو آپ ان کا تصور ذہن میں لا کر کہتے معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔ اس طرح آپ کو کھانا اچھا نہ لگتا، کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر کہتے، معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے

اللہ رب العزت کو یہ بات پسند آئی تو اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا۔ ایک مرتبہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ آپ ہندستان کے ان برگزیدہ علماء میں سے ہیں جن کو اٹھارہ سال مسجد نبوی ﷺ میں درس حدیث دینے کی توفیق نصیب ہوئی۔ سبحان اللہ، وہاں حدیث پڑھاتے ہوئے ادھر گنبد خضرا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے فــال هذا النبي صلى الله عليه وسلم

جرأت ہو تو ایسی

اللہ رب العزت نے دل میں جرأت اتنی دی تھی کہ جب وینہ ہال کراچی میں انگریز نے ان کو عدالت کے اندر حاضر کیا تو انگریز نے کہا، کہ حسین احمد! تمہیں پتہ ہے کہ تم نے ہمارے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، کہ ہاں مجھے پتہ ہے۔ اس نے کہا، کیا پتہ ہے؟ آپ نے اپنے کندھے کی سفید چادر اس کو دکھادی۔ انگریز نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا، کہ یہ میرا کفن ہے، جو میں اپنے کندھے پر لئے پھرتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میری موت کا حکم صادر ہو جائے گا۔ مجھے پھانسی چڑھادی جائے گی تو مجھے کسی سے اپنا کفن مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ورثۃ الانبیاء ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

متقدمین کا قافلہ

علمائے دیو بند کے بارے میں شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ”صحابہ کرام کا ایک قافلہ جا رہا تھا ان میں سے چند ارواح کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے روک لیا۔ یہ وہی روحیں تھیں جن کو اس دور کے اندر پیدا کر دیا تا کہ بعد میں آنے والے متاخرین متقدمین کی زندگی کے نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔“

اور واقعی ان کی اتباع سنت کو دیکھیں، ان کے تقویٰ کو دیکھیں تو یہی نظر آتا ہے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک یہ حضرات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں سے سجے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چناؤ

یہ کوئی اتفاقی باتیں نہیں تھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چناؤ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے ایک روایت میں آتا ہے کہ ہر صدی کے آخر پر اللہ تعالیٰ ایک بندے کو پیدا فرماتا ہے جو مجدد ہوتا ہے، جو دین کی تجدید کا کام کرتا ہے، جو شرک و بدعات و رسومات کو ختم کر دیتا ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تو ۱۰۰ سال کے بارے میں حدیث پاک میں بھی اس کا

تذکرہ ہے۔ تو علمائے دیوبند چنے ہوئے لوگ تھے اگر ان کی زندگیوں کا جائزہ لیں تو ان کی زندگیوں میں عجیب تناسب نظر آتا ہے۔ آپ کے سامنے دو تین مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

آپ ذرا غور کیجئے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۳۹ھ میں ہوئی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۳۷ھ میں ہوئی۔ تقریباً سو سال کا فرق ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی مجاہد تھے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی مجاہد تھے، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا تھا اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ کے اوپر عمل کر کے دکھا دیا تھا۔ تقریباً ایک سو سال کے بعد ان کی وفات ہو رہی ہے۔ ۱۰۰/سال کا یہ وقفہ اتفاقی بات نہیں تھی۔ بلکہ یہ قدرت کا چناؤ نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۴۶ھ میں ہوئی اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۴۶ھ میں ہوئی۔ حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شرک و بدعت کو ختم کیا تو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان لکھ کر شرک کی جڑیں کاٹ کے رکھ دیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بدعات کا قلع قمع کر دیا تھا۔ ان دونوں کی وفات میں بھی پورے ۱۰۰/سال کا فرق بنتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہوئی تو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۵۲ھ میں ہوئی۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی علم کے سمندر تھے اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی علم کے سمندر

تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک چناؤ ہے۔ ایک بندہ جب دنیا سے رخصت ہوتا تھا اللہ دوسرے بندے کو پیدا فرما دیتے ہیں اور آئندہ آنے والے ۱۰۰ ر سال میں وہ بندہ کام کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے علمائے اہل سنت والجماعت دیوبند سے دین کا کام لیا تو ہمارا ان کے ساتھ روحانی، علمی تعلق ہے۔ الحمد للہ آج ان حضرات کے علمی فرزند موجود ہیں۔ جن حضرات نے نبی علیہ السلام کی ایک ایک سنت پر عمل کیا اور انہوں نے دین کے پرچم لہرا دیئے۔ انگریز کے خلاف جہاد کیا جس کی وجہ سے آج ہم آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔ ہمارا علمی رشتہ ان سے لے کر نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔

ہم ٹپکے کے آم نہیں

ہم کوئی ٹپکے کے آم نہیں ہیں۔ آپ نے یہ الفاظ پہلے بھی سنے ہوں گے کہ آم کا باغ ہوتا ہے تو اس میں مختلف نسل کے آم ہوتے ہیں۔ باغ کا مالی جس درخت سے آم توڑتا ہے تو وہ ٹوکری میں ڈال کر نام لکھ دیتا ہے کہ یہ فلاں نسل کے آم ہیں۔ چنانچہ منڈی میں آ کر آم نسل کے نام سے بکتے ہیں۔ نام سے بکنے کی وجہ سے ان کی قیمت زیادہ لگتی ہے۔ لیکن کچھ آم ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو پرندے خود توڑ کے پھینک دیتے ہیں وہ بہت سارے آپس میں مل جاتے ہیں تو ان کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس نسل کے ہیں۔ ان کو باغ والا آدمی ٹوکری بھر دیتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ ٹپکے کے آم ہیں۔ مجھے ان کی نسل کا پتہ

نہیں ہے۔ ٹکیے کے آم خریدنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

مقدس علمی رشتہ

ہم رات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں کہتے ہیں کہ ہم ٹکیے کے آم نہیں ہیں بلکہ ہمارا علمی رشتہ نبی آخرالزماں تک پہنچتا ہے۔ علمائے دیوبند کو اللہ رب العزت نے جو علمی کمالات عطا کئے الحمدللہ ان علمی کمالات کا رشتہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ علماء دیوبند کے سرخیل امام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

☆ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے دین سیکھا حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے
☆ حضرت شاہ عبدالغنیؒ نے دین سیکھا شاہ حضرت اسحاقؒ سے۔
☆ حضرت شاہ اسحاقؒ نے دین سیکھا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے۔
☆ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے دین سیکھا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے
☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے دین سیکھا حضرت ابوطاہر مدنی سے
☆ حضرت شیخ ابوطاہر مدنی نے دین سیکھا حضرت حسام الدینؒ سے۔
☆ حضرت شیخ حسام الدینؒ نے دین سیکھا حضرت ربیع بن سعیدؒ سے۔
☆ حضرت ربیع بن سعیدؒ نے دین سیکھا حضرت ابواسحاق مدنیؒ سے۔
☆ حضرت ابواسحاق مدنی نے دین سیکھا حضرت امام محمد بن اسماعیل

بخاریؒ سے۔

☆ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے دین سیکھا حضرت امام محدث یحییٰ بن معینؒ سے۔

☆ حضرت امام محدث یحییٰ بن معینؒ نے دین سیکھا حضرت امام ابو یوسفؒ سے۔

☆ حضرت امام یوسفؒ نے دین سیکھا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے۔

☆ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے دین سیکھا حضرت امام حمادؒ سے۔

☆ حضرت امام حمادؒ نے دین سیکھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دین سیکھا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہماری یہ علمی اور روحانی نسبت نبی علیہ السلام کے ساتھ جا کر ملتی ہے۔

ذکر کا بنیادی مقصد

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ذکر کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ جو اذکار بتلائے جاتے ہیں اور تزکیہ نفس کی جو محنت کروائی جاتی ہے اس کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اس ذکر کے کرنے سے اندر ایسی کیفیت آجاتی ہے کہ دل منور ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ علوم و معارف کی بارشیں کر دیا کرتے ہیں۔

علوم ومعارف کی بارش

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ہم شیخ الہند سے جلالین شریف پڑھا کرتے تھے اور میں تکرار کے وقت طلباء کا مانیٹر تھا۔ میرے ذمے تکرار ہوتی تھی۔ ایک دفعہ تکرار کرتے ہوئے ایک اشکال وارد ہوا جو رفع ہی نہیں ہوتا تھا۔ سب طلباء نے سوچا مگر کسی کے ذہن میں جواب نہیں آیا۔ بالآخر سب طلباء نے کہا کہ تم چوں کہ ذمہ دار ہو اس لئے کل کے درس سے پہلے حضرت سے اس کا جواب پوچھ لو۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ اگلے دن میں نے جلالین شریف اپنی بغل میں لی اور فجر کے لئے مسجد میں آ گیا۔

سردی کا موسم تھا میں نے فجر کی نماز پڑھتے ہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے قریب جانے کی کوشش کی۔ مسجد کے ساتھ ہی ان کا حجرہ تھا۔ میرے جانے سے پہلے وہ حجرے میں تشریف لے گئے اور دروازے کی کنڈی بند کرلی۔ میں دیر سے پہنچا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اشرف علی! تجھے اپنے نفس کو سزا دینی چاہئے کہ نکلنے میں تاخیر کیوں ہوئی۔ چنانچہ سردی کے موسم میں میں دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا کہ جب حضرت اشراق پڑھ کر نکلیں گے تو میں حضرت سے ان کا جواب پوچھ لوں گا۔ فرماتے ہیں کہ میں سردی سے ٹھٹھر رہا تھا لیکن ذرا کان جو لگائے تو اندر حضرت بیٹھے لا الہ کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا ذکر تو حضرت کر رہے تھے لیکن سن کر مزہ مجھے آ رہا تھا۔ اللہ رب

العزت نے ان کو وہ ذوق عطا کیا تھا کہ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے سننے والوں کو وجد آجاتا تھا۔

حضرت نے اشراق پڑھی تو اس کے بعد دروازہ کھولا، میں حیران ہوا کہ سردی کے موسم میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے۔ ذکر کی حرارت پیشانی پر پسینے کی شکل میں ظاہر ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، اشرف علی! تم یہاں کیسے کھڑے ہو؟ میں نے کہا، حضرت! ایک بات پوچھنی ہے۔ میں نے کتاب کھول دی۔ حضرت نے دیکھا تو اس کے متعلق تقریر فرمانی شروع کردی۔ کہتے ہیں کہ حضرت تقریر فرماتے رہے، الفاظ بھی میرے لئے غیر مانوس تھے اور معانی بھی کچھ سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ حضرت نے تقریر فرما کر کہا، اشرف علی! تم سمجھ گئے ہو؟ میں نے کہا، حضرت! کچھ سمجھ نہیں آئی۔ میں نے دل میں کہا، حضرت! کچھ نزول فرمائیے تاکہ مجھے بھی بات سمجھ آسکے۔ حضرت نے دوبارہ تقریر کرنی شروع کردی۔ دوبارہ جب تقریر کی تو الفاظ تو مجھے کچھ مانوس محسوس ہوتے تھے، سنے ہوئے تھے لیکن مطلب پھر بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ حضرت نے تقریر مکمل کی۔ دوسری مرتبہ فرمایا، اشرف علی! اب تمہیں بات سمجھ آئی۔ میں نے کہا، حضرت! اب بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ حضرت نے فرمایا، اشرف علی! میری اس وقت کی باتیں تمہارے فہم وادراک سے بالا ہیں لہٰذا کسی اور وقت میں مجھ سے پوچھ لینا۔

الحمد للہ ہم ان اساتذہ کے شاگرد ہیں جو اللہ رب العزت کا ذکر کرتے

تھے تو علوم و معارف کی اتنی بارش ہوتی تھی کہ ایک ہی مضمون کو کئی کئی انداز سے بیان کرتے تھے مگر سمجھنے والوں کے فہم وادراک سے بالا ہوا کرتی تھیں۔

اُولٰئِکَ آبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

اللہ رب العزت ہمیں ان اسلاف کے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے، ہمیں اپنے آپ پر محنت کرنے اور اپنے علم پر عمل کرنے کی، اپنے اندر سے دورنگی ختم کرنے کی اور اپنے اندر سے معصیت ختم کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین ثم آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

میزان العلوم شرح سلم العلوم

از: مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری
سابق مدرس دارالعلوم دیوبند

فن منطق کی معرکۃ الآراء کتاب سلم العلوم پر اردو زبان میں ایک نادر شرح میزان العلوم جس میں متن کی پوری وضاحت کی گئی ہے اور الجھا دینے والے اعتراضات اور جوابات سے حتی الامکان احتراز کیا گیا ہے، زبان سلیس ہے اور انداز بیان شستہ اور شگفتہ۔

ناشر
کتب خانہ فخریہ
دیوبند یوپی 247554

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

از مولانا مفتی شکیل احمد صاحب سیتاپوری

سابق مدرس دارالعلوم دیوبند

- تقریر کی یہ چھوٹی سی کتاب طلبہ مدارس اسلامیہ میں بے حد مقبول ہے۔
- اگر آپ تقریری میدان میں سب پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔
- اگر آپ بہترین مقرر بننا چاہتے ہیں۔
- اگر آپ سیرت طیبہ ﷺ کو بیان کرنے کا صحیح طریقہ سمجھنا چاہتے ہیں۔

تو آج ہی اس گوہر نایاب کو اپنے علمی خزانے میں محفوظ کر لیجئے۔

پیر فقیر حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی کی تصانیف

- انبیا کرام کی سرزمین میں چند روز
- آزاد ریاستوں کے چشم دید حالات
- نماز کے ادبی اسرار و رموز
- خواتین اسلام کے کارنامے
- خواتین کیلئے تربیتی بیانات
- دعائیں قبول نہ ہونے کی وجوہات
- ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی
- رہے سلامت تمہاری نسبت
- سنت نبوی اور جدید سائنسی انکشافات
- عمل سے زندگی بنتی ہے
- فقیر کا پیغام نئی نسل کے نام
- قرآن کے اسرار و رموز
- کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے
- لاہور سے تا خاک بخارہ و سمرقند
- مثالی ازدواجی زندگی کے سنہری اصول
- حیا اور پاک دامنی
- باادب بانصیب
- تصوف و سلوک
- پریشانیوں کا حل
- تمنائے دل
- خطبات ذوالفقار
- دوائے دل
- زلزلہ
- سکون دل
- سکون خانہ
- عشق الٰہی
- عشق رسول ﷺ
- محسنین اسلام
- ملفوظات فقیر
- مجالس فقیر
- مکتوبات فقیر
- موت کی تیاری